تفریح اور کھیل کود کے جائز وسائل اور اس کے شرعی ضابطے

از: مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سیدِ المُرسلین محمدٍ وَعَلیٰ آلہٖ وَصَحْبِہٖ أجمعین.

اسلام کامل ومکمل شریعت اوراعتدال پسند مذہب ہے، ہر چیز میں میانہ روی کو پسند کرتا ہے، اسلامی نظام کوئی خشک نظام نہیں؛ جس میں تفریحِ طبع اور زندہ دلی کی کوئی گنجائش نہ ہو؛ بلکہ وہ فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اورفطری مقاصد کو بروئے کار لانے والا مذہب ہے۔اس میں نہ تو خود ساختہ ”رہبانیت“ کی گنجائش ہے، نہ ہی بے ہنگم تقشّف اور جوگ کی اجازت ہے۔ آسانی فراہم کرنا اورسختیوں سے بچانا شریعت کے مقاصد میں داخل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ:۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی فراہم کرنا چاہتا ہے، دشواری پیدا کرنا نہیں چاہتا ہے)۔

اسلام آخرت کی کامیابی کواساسی حیثیت دیتے ہوئے ،تمام دنیاوی مصالح کی بھی رعایت کرتا ہے، اس کی پاکیزہ تعلیمات میں جہاں ایک طرف عقائد،عبادات،معاشرت ومعاملات اوراخلاقیات وآداب کے اہم مسائل پر توجہ مرکوز کی گئی ہے، وہیں زندگی کے لطیف اور نازک پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔اقوامِ یورپ کی طرح پوری زندگی کوکھیل کود بنادینا اور”زندگی برائے کھیل“ کا نظریہ اسلام کے نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے؛ بلکہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے ، اخلاقی حدود میں رہ کر کھیل کود، زندہ دلی ،خوش مزاجی اورتفریح کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے؛ بلکہ بعض اوقات بعض مفید کھیلوں کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام سستی اورکاہلی کوپسند نہیں کرتا؛ بلکہ چستی اورخوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔شریعت کی تعلیمات اس امر کا

تقاضہ کرتی ہیں کہ مسلمان شریعت کے تمام احکام پر خوشی خوشی عمل کرے۔ یہ عمل انقباض اور تنگ دلی کے ساتھ نہ ہو؛ کیوں کہ سستی اور تنگ دلی کے ساتھ عبادات کو انجام دینا نفاق کی علامت ہے۔ ارشاد باری ہے: وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی. (النساء:۱۴۲) (کہ منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں؛ تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، سستی اور کاہلی بے جا فکرمندی اتنی ناپسندیدہ چیز ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور سے پناہ مانگی ہے۔

اسلام کی اعتدال پسندی ہی کا یہ اثر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلافِ امّت کی زندگیاں جہاں خوف وخشیت اور زہد وتقویٰ کا نمونہ ہیں؛ وہیں تفریح، خوش دلی اور کھیل کود کے پہلوؤں پر بھی بہترین اُسوہ ہیں۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفریح اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

کیا شریعت میں تفریح اور مزاح جائز ہے؟

تفریح عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو "فرح" سے مشتق ہے۔ فرح کے بارے میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اَلْفَرَحُ لَذَّۃٌ فِی الْقَلْبِ فِاِدْرَاکِ الْمَحْبُوْب (تفسیر قرطبی) کہ محبوب چیز کے پالینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اسی کو فرحت اور خوشی کہتے ہیں۔ اگر یہ فرحت محض قلبی خوشی ہو اور اللہ کی نعمتوں کے احساس اور اس کے فضل وکرم کے استحضار پر مبنی ہو؛ تو وہ شرعاً مطلوب، مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا (یونس ۵۸) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہے، تو چاہیے کہ وہ لوگ خوش ہوں)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ. (آل عمران ۱۷۰) کہ جنتی لوگ خوش ہوں گے؛ ان نعمتوں پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَۃً. کہ دلوں کو وقتاً فوقتاً خوش کرتے رہا کرو۔ (الجامع الصغیر للسیوطی بحوالہ احکام القرآن للمفتی محمد شفیع جلد۳، ص ۱۹۵)

ایک روایت میں ہے: اَلْقَلْبُ مُمِلٌّ کَمَا تَمَلُّ الْاَبْدَانُ فَاطْلُبُوا بِھَا طَرَائِقَ الْحِکْمَۃِ. یعنی دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے، جیسے بدن تھک جاتے ہیں؛ لہٰذا اس کی تفریح کے لیے حکیمانہ طریقے تلاش کیا کرو۔ (احکام القرآن للمفتی محمد شفیع، ج۳، ص ۱۹۵)

یہ قلبی خوشی اگر انسان کو غرور وتکبر پر آمادہ کردے، تو اس طرح کی فرحت شرعی نقطۂ نظر سے

ممنوع ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (القصص۷۶) کہ مت اتراؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے: إِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (ہود۱۰) کہ بلاشبہ وہ اترانے والا اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے۔

اسی طرح ''مزاح'' مزح سے بنا ہے مزاح کے بارے میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: اَلْمِزَاحُ اِنْبِسَاطٌ مَعَ الْغَیْرِ مِنْ غَیْرِ اِیْذَاءٍ فَإِنْ بَلَغَ الإِیْذَاءَ یَکُوْنُ سُخْرِیَّۃً (حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ص۴۱۶) کہ مزاح ایسے عمل کو کہتے ہیں، جس کے ذریعہ دوسرے کے ساتھ مل کر خوش طبعی حاصل ہوسکے۔ اس طور پر کہ اس عمل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اوراگر وہ خوش طبعی کسی کے لیے باعثِ تکلیف ہوجائے، تو اسے مزاح نہیں؛ بلکہ ''سخریہ'' یعنی مذاق اڑانا کہیں گے۔

مزاح اور زندہ دلی وخوش طبعی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے، اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہوجانا نازیبا اور مضر ہے، اسی طرح اس لطیف احساس سے آدمی کا بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ جو بسا اوقات انسان کو خشک محض بنادیتی ہے۔ بسا اوقات ہمجولیوں اور ہمنشینوں اور ماتحتوں کے ساتھ لطیف ظرافت ومزاح کا برتاؤ ان کے لیے بے پناہ مسرت کے حصول کا ذریعہ اور بعض اوقات عزت افزائی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر عظمت ورفعت اور شان وشوکت کے باوجود، بسا اوقات اپنے جاں نثاروں اور نیازمندوں سے مزاح فرماتے تھے۔ ذیل کی احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ آپ کا پرشفقت مزاح کس طرح ہوا کرتا تھا۔

۱- عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنَّکَ لَتُدَاعِبُنَا قَالَ إِنِّی لَا أَقُوْلُ إِلاَّ حَقًّا. (ترمذی۲/۲۰) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ میں مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)۔

۲- عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنْ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَیُخَالِطُنَا حَتّٰی یَقُوْلَ لِأَخٍ لِیْ صَغِیْرٍ یَا أَبَا عُمَیْرُ! مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ. کَانَ لَہٗ نُغَیْرٌ یَلْعَبُ بِہٖ فَمَاتَ. متفق علیہ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۶، ترمذی۲/۱۹)

ترجمہ: (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اتنے بلند تھے کہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے مکمل اختلاط رکھتے تھے؛ یہاں تک کہ ازراہِ شفقت ومزاح

ہمارے چھوٹے بھائی سے کہتے تھے: اے ابوعمیر! نغیر بلبل کا کیا ہوا؟ ان کے چھوٹے بھائی کے پاس ایک بلبل تھا؛ جس سے وہ کھیلا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

۳- عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ لِاِمْرَأَۃ عَجُوْزٌ إِنَّہٗ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَجُوْزٌ، فَقَالَتْ وَمَالَھُنَّ وَکَانَتْ تَقْرَءُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَھَا أَمَا تَقْرَئِیْنَ الْقُرْآنَ ”إِنَّا أَنْشَأْنَاھُنَّ إِنْشَاءً ا فَجَعَلْنَاھُنَّ أَبْکَارًا“ (مسند رزین بہ حوالہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا: کہ برھیا جنت میں نہیں جائے گی؛ ان بے چاری نے عرض کیا ان بوڑھیوں میں کیا ایسی بات ہے؛ جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی۔ وہ بوڑھی قرآن خواں تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی؟ ”إِنَّا أَنْشَأْنَاھُنَّ إِنْشَاءً ا فَجَعَلْنَاھُنَّ أَبْکَارًا“ کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشو ونما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنادیں گے۔

۴- عَنْ أَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال: إِنّی حَامِلُکَ عَلیٰ وَلَدِ نَاقَۃٍ، فَقَالَ: مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَۃِ؟ فقالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: وَھَلْ تَلِدُ الإِبِلُ إِلَّا النُّوقَ. (ترمذی ۲/۲۰، ابوداؤد، ص ۶۸۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ مانگا؛ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں تم کو سواری کے لیے اونٹ کا بچہ دوں گا، اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کے بچے ہوتے ہیں۔ (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہے جو اونٹ بھی دیا جائے گا، وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا)

۵- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لَہٗ: یَاذَا الأُذُنَیْنِ! (ترمذی ۲/۲۰)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں (ازراہِ مزاح وشفقت) یا ذالاذنین اے دوکان والے کہہ کر مخاطب کیا۔ (حالاں کہ ہر شخص دوکان والا ہوتا ہے؛ لیکن حدیث کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شاید یہ انفرادی صفت انھیں کی خصوصیت ہے۔ دوسرے میں نہیں پائی جاتی)

۶- حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ رسول

ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔اسی درمیان آپ کو گھریلو معاملات میں حضرت عائشہؓ کی آواز بلند محسوس ہوئی۔جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عائشہؓ کی طرف مارنے کے لیے لپکے اور اپنی بچی حضرت عائشہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول ﷺ سے اونچی آواز میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا ہوں؟! یہ دیکھ کر حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ کو ان کے والد کی مار سے بچانے کی کوشش کرنے لگے۔اسی دوران حضرت ابوبکرؓ غصّہ کی حالت میں گھر سے نکل گئے۔حضرت ابوبکرؓ کو نکلتے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: کیا خیال ہے؟ میں نے تمھیں اس شخص سے بچایا کہ نہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کچھ دنوں تک ناراض رہے، پھر رسول اللہ ﷺ کے یہاں حاضر ہوکر اندر آنے کی اجازت چاہی، گھر جاکر محسوس کیا کہ آنحضرت اور حضرت عائشہ کے مابین صلح ہوچکی ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ: آپ دونوں مجھے اپنی صلح میں شامل کرلیجیے؛ جس طرح آپ دونوں نے مجھے اپنے جھگڑے میں شامل کیا تھا،تو آں حضرت نے فرمایا کہ: جی ہاں آپ کو صلح میں شامل کرلیا(ابوداؤد ۲۸۲)۔(اس حدیث میں ابوّت کے رشتہ کے حامل بزرگ حضرت ابوبکر کو محض ''الرجل'' کہنے سے جو مزاح پیدا ہوتا ہے، اسے کوئی بھی شخص محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا)۔

۷- عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ قَالَ أَتَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم فِيْ غَزْوَةِ تبوكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ فسلَّمْتُ فَرَدَّ وَقَالَ اُدْخُلْ فَقُلْتُ أَكُلِّي يا رسولَ الله، قَالَ كلُّكَ فَدَخَلْتُ (ابوداؤد ۶۸۳)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی کہتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں غزوۂ تبوک میں حاضر ہوا، جب کہ آپ چمڑے سے بنے سائبان میں قیام پذیر تھے۔میں نے سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آجاؤ میں نے عرض کیا: پورا کا پورا آجاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں پورا کا پورا۔(جگہ کی قلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابیؓ نے جس محبت کے ساتھ مزاح کیا آں حضرت نے کمالِ اخلاق مندی سے انھیں کے مزاحیانہ اسلوب میں جواب دیا)۔

۸- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص دیہات کے رہنے والے تھے، ان کا نام ازہر تھا، وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دیہات سے ہدیہ وتحفہ بھیجا کرتے تھے،تو آں حضرت بھی بازار سے ان کی ضرورت کی چیزیں انھیں دیا کرتے تھے۔ایک دن جب وہ اپنے سامان بازار میں فروخت کررہے تھے، کہ ان کی نظر سے بچ کر آں حضرت نے ان کو پیچھے سے

دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ زاہر نے کہا کوئی ہے، جو مجھے ان سے چھڑائے۔ ذرا پیچھے دیکھا تو آں حضرت ﷺ کو پہچان لیا، جوں ہی پہچانا، پوری طاقت سے اپنی پشت کو حضور ﷺ کے سینے سے چمٹانے لگے اور حضورِ اکرم ﷺ فرمانے لگے کہ اس غلام کو کون خریدے گا؟ از ہر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ فروخت کرتے وقت کھوٹا پائیں گے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مگر اللہ کی بارگاہ میں تو کھوٹا نہیں ہے۔

مزاح کے جواز کے حدود:

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ: آداب کی رعایت کرتے ہوئے کبھی کبھی مزاح کی نہ صرف گنجائش ہے؛ بلکہ مستحسن ہے اور اسوۂ نبوی کی اتباع ہے؛ لیکن اگر مزاح دوسرے آدمی کے لیے ناگواری اور اذیت کا باعث بن جائے، یا حد سے زیادہ ہنسی کا ذریعہ بن جائے یا مزاح کا عمل کبھی کبھار کے بجائے کثرت سے ہونے لگے، تو ایسے مزاح کی ممانعت ہوگی اور اس کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

آپس میں مذاق کرنا اگر دوسرے کے لیے باعث تکلیف نہ ہو، معاملہ برابر کا ہو؛ تو اس کی گنجائش نکلتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: ایک دن حضورِ اکرم ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے اور حضرت سودہؓ بھی تھیں، میں نے سالن پکایا اور حضرت سودہؓ سے کہا: آؤ کھانا کھائیں؛ انھوں نے انکار کیا۔ نشست اس طرح واقع ہوئی تھی، کہ ایک طرف وہ تھیں، دوسری طرف میں اور بیچ میں سرورِ کائنات ﷺ۔ جب حضرت سودہؓ نے انکار کیا؛ تو میں نے کہا کہ: کھاتی ہو تو کھاؤ؛ نہیں تو منہ پر مل دوں گی۔ انھوں نے نہ کھایا، میں نے ان کے منہ پر مل دیا۔ حضور ﷺ نے اپنے پاؤں بیچ میں سے ہٹا دیے؛ تاکہ حضرت سودہؓ اپنا بدلہ مجھ سے لے سکیں؛ چنانچہ انھوں نے بھی ایسا کیا اور آپ ﷺ مسکراتے رہے۔ (نسائی، ابن ماجہ) مسلمانوں کو تکلیف دینے، ان کا مذاق اڑانے، ان کی تحقیر کے سلسلے میں سخت ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یُحَقِّرُہٗ. (صحیح مسلم) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے۔ اس کو بے مدد نہ چھوڑے اور اس کو حقیر نہ جانے اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے۔ پھر آپ نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، معلوم ہوا کہ ایسے امور انجام دینا؛ جن سے چہروں پر مسکراہٹ بکھر جائے، لوگ ہنسنے پر آمادہ

ہو جائیں، کچھ دیر کے لیے دل سے ہموم وغموم اور غبار نکل جائیں، فکرِ آخرت برقرار رہے اور کسی کی تکلیف کا سبب نہ بنے اس کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے؛ بلکہ اسے مستحسن بھی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں: کثرت سے مستقل مزاح اور خوش طبعی میں لگے رہنا ممنوع ہے؛ اس لیے کہ وہ بہت زیادہ ہنسنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے، قلب میں فساد پیدا کرتا ہے، ذکر اللہ سے غافل کرتا ہے اور ہیبت کو ختم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ کبھی کبھار آپ کسی مصلحت یا مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے مزاح فرمایا کرتے تھے اور اس طرح کا مزاح پسندیدہ سنت ہے (حاشیہ ترمذی)۔

تکلیف دہ مزاح کی ممانعت کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور اس سے مذاق نہ کرو اور اس سے تم ایسا وعدہ نہ کرو جس کی وعدہ خلافی کرو (ترمذی ۲/۲۰)۔ اس حدیث میں دیگر تکلیف دہ اعمال (جھگڑا، وعدہ خلافی) کے ساتھ اس مزاح کی بھی ممانعت کی گئی ہے؛ جو اذیّت ناک اور ناگواری کا باعث ہو۔ مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزاح کے طور پر جو گفتگو کی جائے، وہ ظرافت و لطافت کے باوصف فی نفسہٖ صحیح اور درست ہو، خوش طبعی کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا بھی مذموم ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيَضْحَكَ بِهِ الْقَوْمُ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ. (ابوداؤد:۶۸۱) کہ اس شخص کے لیے ہلاکت ہو، جو دورانِ گفتگو جھوٹی باتیں کرتا ہے محض اس لیے کہ وہ لوگوں کو ان باتوں سے ہنسائے۔ اس کے لیے ہلاکت ہو، اس کے لیے ہلاکت ہو۔

معلوم ہوا کہ مزاح میں اگر جھوٹ یا تمسخر واستہزاء کا پہلو ہو، تو وہ موجبِ ہلاکت ہے۔ تمسخر واستہزاء کفار کا شیوہ ہے، جو وہ اہل ایمان؛ بلکہ انبیاء کرام ﷺ سے کرتے تھے۔ اہل ایمان کے لیے اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ مزاح سے ایک درجہ آگے مذاق کا معاملہ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے کسی صحابی کو مغموم دیکھتے، تو دل لگی کے ذریعہ اسے خوش فرماتے (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۸) ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضورِ اکرم ﷺ کو غمگین دیکھا، تو اپنا ایک واقعہ سنا کر خوش کیا۔ (تکملہ فتح الملہم ج:۱ص:۱۷۸)

مزاحیہ پروگرام اور مزاحیہ مشاعرہ:

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مزاح فی نفسہٖ اگر آداب واخلاق کے دائرہ میں ہو تو

درست ہے۔ یہی حال مزاح پر مشتمل اشعار اور مزاحیہ شعر گوئی کا بھی ہے۔ وزن اور قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے بالارادہ کہے گئے کلام کو شعر کہتے ہیں (فتح الباری: ۱۰/ ۶۴۸) اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے، جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کیے گئے ہوں۔ فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ''قضایا شعریہ'' یا ادلۂ شعریہ کہا جاتا ہے۔

چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نبوت سے شعر گوئی میل نہیں کھاتی تھی؛ اس لیے مشیّت الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔ (یٰسین: ۶۹)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا؛ تو آپ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے، اس میں جو اچھا ہے، وہ اچھا ہے اور جو برا ہے، وہ برا ہے (رواہ الدار قطنی، مشکوٰۃ ۴۱۰/۱۱)۔

شرائط وآداب کے ساتھ فی نفسہٖ مزاح کا درست ہونا (چاہے وہ نظم میں ہو یا نثر میں) الگ چیز ہے اور باضابطہ مزاحیہ پروگرام منعقد کرنا یا مزاحیہ مشاعرہ منعقد کرنا الگ چیز ہے۔ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ پروگرام کا انعقاد اہتمامِ زائد کی علامت ہے۔ اور مباح چیزوں کا ضرورت سے زائد اہتمام کرنا، اسے زمرۂ کراہت میں داخل کردیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہتمام مزاح اور تفریح کے لیے ہورہا ہے اور تفریح جب حد اعتدال سے بڑھے گی؛ تو وہ لہو ولعب میں داخل ہوجائے گی اور لہب ولعب سے قرآن کریم میں ممانعت کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ایسی مجلسوں میں اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ عام طور پر نماز و دیگر فرائض کا پاس وخیال بھی نہیں رہتا۔ شور وشغب ہوتا ہے، تالیاں پیٹی جاتی ہیں۔ مرد وزن کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے۔ ہنسانے کے لیے جھوٹی باتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی مجالس کا انعقاد کراہت سے خالی نہیں اور اگر عملی طور پر ایسی مجالس میں محرمات وناجائز امور کا ارتکاب ہو؛ تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے۔ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کسی ختنہ میں بلائے گئے، آپ نے انکار فرمادیا، کسی نے وجہ دریافت کی؛ تو آپ نے فرمایا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے (احمد، اصلاح الرسوم ۱۱۰)

معلوم ہوا کہ جس کام کا اہتمام سلف صالحین سے ثابت نہیں اس کے لیے اہتمام کرنا اور بلانا پسندیدہ نہیں ہے۔ اتفاقیہ طور پر حسبِ موقع مزاحیہ گفتگو کرلینا اور تفریحی اشعار کہہ سن لینا

اگر چہ جائز ہے؛ لیکن اس کے لیے اہتمام سے اجتماع کرنا اوراس میں گھنٹوں لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَایَعْنِیْهِ (ترمذی) یعنی آدمی کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی امور کو ترک کردے۔حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حوالہ سے یہ بات آچکی ہے کہ مستقل طور پر مزاح میں لگا رہنا ممنوع ہے؛ اس لیے کہ وہ زیادہ ہنسنے کا سبب، قلب کے بگاڑ کا ذریعہ اور ذکر اللہ سے اعراض کا موجب ہے۔رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار ہی مزاح فرماتے تھے،وہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے یا مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے (حاشیہ ترمذی ۲/۲۰)

مزاحیہ کہانی کا شرعی حکم:

ماحیہ کہانیاں جو پندونصیحت پر مشتمل ہوں اور مزاح اس میں ضمنی طور پر ہو، یا مزاح کے پہلو بہ پہلو حکمت وموعظت اور سبق آموز باتیں بھی ہوں؛ تو ایسی کہانیاں لکھنے کی گنجائش ہے۔جب لکھنے کی گنجائش ہے،تو پڑھنے، شائع کرنے،خرید وفروخت کرنے کی بھی گنجائش ہوگی؛ لیکن شرط یہ ہے کہ تمام امورفرائض وواجبات، سنن وغیرہ غفلت کا سبب نہ بنیں۔رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: حکمت ودانائی کی باتیں مومن کے لیے متاعِ گمشدہ ہے، وہ جہاں مل جائے؛ تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اس کے علاوہ ادب کے نام پر ہمارے پاس جو اسلاف کے زمانے سے ذخیرے چلے آرہے ہیں؛ وہ بھی کچھ نہ کچھ مزاحیہ حکایتوں پر مشتمل ہیں اور اکابر کے نزدیک ان کے پڑھنے پڑھانے کا کسی نہ کسی حدتک سلسلہ رہا ہے۔اس سلسلے میں ابوالفرج اصفہانی کی ''کتاب الأغانی'' جاحظ کی ''کتاب البخلاء'' اور عبداللہ ابن المقفع کی ''کلیلہ ودمنہ'' کا نام لیا جاسکتا ہے؛ بلکہ موخرالذکر کتاب تو بہت سے مرکزی مدارس وجامعات میں داخل درس ہے۔اسی طرح مشہور محقق عالم دین علامہ ابوالفرج ابن الجوازی نے تفریحی مضامین پر مشتمل ایک مستقل کتاب ''أخبارُ الْحمُقٰی والمُغفَّلین'' کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔یہ بھی قابل غور ہے کہ عربی شاعری کے جو ذخیرے موجود ہیں؛ ان میں مزاحیہ شاعری،عشقیہ شاعری، بلکہ فسقیہ وبیہودہ شاعری کا بھی ایک معتدبہ حصہ ہے۔امرء القیس، حطّیہ اور ابوالطیب متنبّی کی شاعری اس کے لیے شاہد عدل ہے؛ لیکن محض اعلیٰ مقاصد کے لیے اسے انگیز کیا گیا ہے؛ لہٰذا حکمت ودانائی پر مبنی مزاحیہ کہانیوں کو بھی ایک حدتک انگیز کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر مزاح برائے مزاح ہو، حکمت وموعظت سے خالی ہو، حقائق سے کوسوں دور

ہو، غلط بیانی اور جھوٹ کی آمیزش ہو، دوسروں کی کردارکشی کی گئی ہو، تو ایسی مزاحیہ کہانیاں نہ تو لکھنا درست، نہ اس کی خرید وفروخت درست ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لہوالحدیث (کھیل کی باتوں) کے خریدنے کی مذمت فرمائی ہے۔ درِّ منثور میں روایت ہے کہ نضر بن حارث مشرکین میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور تجارت کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا۔ وہ ملک فارس سے شاہانِ عجم کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصّے خرید کر لایا اور مکہ کے مشرکین سے کہا کہ محمد ﷺ تم کو عاد وثمود وغیرہ کے واقعات سناتے ہیں۔ میں تمھیں ان سے بہتر رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہانِ فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس کو شوق ورغبت سے سننے لگے؛ کیوں کہ اس میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں؛ جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے، صرف لذیذ قسم کی کہانیاں تھیں۔ اس کی وجہ سے بہت سے مشرکین جو اس سے پہلے کلام الٰہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس کو سننے کی رغبت رکھتے تھے اور چوری چوری سنا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانہ ہاتھ آگیا۔

اگر مزاح کے پہلوؤں کا حامل، مفید امور پر مشتمل کوئی کہانی ہو، تو اسے افادیاتی نقطۂ نظر سے انگیز کیا جاسکتا ہے۔ ایک بار آں حضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو عرب کی تیرہ عورتوں اور ان کے شوہروں کا قصہ سنایا جو ''حدیثِ امِّ ذرح'' کے نام سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

لطیفہ گوئی اور مزاح کو ذریعۂ معاش بنانا:

کبھی کبھار لطیفہ کہہ دینے یا مزاح اور تفریح کرلینے کی تو گنجائش ہے؛ لیکن مستقل لطیفہ گوئی کرنا اور کو ذریعۂ معاش بنالینا، یہ اس مقصد حیات کے برخلاف ہے، جو اسلام افراد اور معاشرے میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور مستقل لطیفہ گوئی اور مزاح وتفریح میں مشغول رہنا انسان کو فکرِ آخرت، ذکر اللہ، عبادت اور تلاوت قرآن سے غافل کردیتا ہے۔ زیادہ ہنسنے ہنسانے سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔ انھیں اسباب کی وجہ سے شعر وشاعری کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انسان اپنا پیٹ پیپ سے بھرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ: شعر جب ذکر اللہ، قرآن کریم کی تلاوت اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے، اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں۔ یہی حال لطیفہ گوئی اور مزاح نویسی کا ہے۔ اس کو مستقل پیشہ بنالینا انہماک کی دلیل ہے اور ایسی چیزوں میں غالب انہماک ممنوع ہے؛ لہٰذا اس کی اجرت وصول کرنا بھی درست نہیں، از خود کوئی بطور انعام کے دے دے، تو اس کے لینے کی گنجائش ہے۔

بے تکلف قہقہہ لگانے کی مجلسوں میں شرکت:

ہنسی کے مواقع پر ہنسنا اور مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور بلا موقع اور محل تکلف سے ہنسنا اور قہقہہ لگانا فطرت کے خلاف عمل ہے۔ موجودہ دور میں ڈاکٹروں کی رائے میں اگرچہ ہنسنا انسانی صحت کی برقراری اور اس کو چست ونشیط رکھنے کے لیے معاون فعل ہے، اس کے لیے خاص طور پر ہنسنے کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں لوگ بے تکلف قہقہہ لگاتے ہیں اور دیر تک ہنسنے کی کوشش کرتے ہیں؛ لیکن یہ عمل شرعی لحاظ سے مناسب نہیں؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تُكْثِرِ الضِّحكَ فإنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ (ترمذی، مشکوٰۃ:۴۴) کہ تم زیادہ مت ہنسا کرو، اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے۔ اس کے علاوہ قہقہہ لگانا یہاں تک کہ کھلکھلا کر ہنسنا بھی نبی کریم ﷺ (جو بالیقین ایمان والوں کے لیے ہر عمل میں بہترین اسوہ ہیں) سے ثابت نہیں؛ بلکہ آپ خوشی کے مواقع پر صرف زیرِ لب مسکرایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طور پر کھل کھلا کر ہنستے ہوئے کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آجائے، کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ تو صرف تبسم فرمایا کرتے تھے (بخاری، مشکوٰۃ ۴۰۶)

معلوم ہوا کہ اگر سلسلۂ کلام میں کوئی تعجب خیز، حیرت انگیز یا مضحکہ خیز بات زیرِ تذکرہ آجائے؛ تو ان پر ہنسنے اور مسکرانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ ایسے مواقع پر ہنسنا اور مسکرانا چاہیے؛ تاکہ دل کا بوجھ ہلکا اور غبار کم ہو اور موجودہ زمانے کی تحقیق کے مطابق صحت، مستعدی اور نشاط میں اضافہ ہو؛ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ہنسنا اور مسکرانا غافلین کا سا نہ ہو؛ اس لیے کہ اس طرح کا ہنسنا دلوں کو مردہ کردیتا ہے۔ حضرت قتادہؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ ہنسا بھی کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! بیشک! وہ حضرات ہنسنے کے موقع پر ہنستے بھی تھے؛ لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑ سے زیادہ عظیم ہوتا تھا۔ حضرت بلال ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ میں نے صحابۂ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے۔ پھر جب رات ہوتی تو وہ راتوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ (شرح السنۃ، مشکوٰۃ ۴۰۷)

لہٰذا موجودہ دور کے ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہوئے بے تکلف قہقہے لگانے کی مجلس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے؛ بلکہ بے تکلف فطری انداز میں جس قدر انسان

ہنس لے، وہی اس کی صحت وتندرستی کے لیے کافی ہے؛ اس لیے کہ زیادہ ہنسنا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق صحت وتندرستی کا سبب نہیں؛ بلکہ دلوں کے مردہ ہونے کا سبب ہے۔

کھیل کود سے متعلق احکام:

(الف) اصولی ہدایت: اسلام انسان کو ایک بامقصد زندگی گزارنے کی ہدایت دیتا ہے اور کھیل وکود اور لہوولعب پر مشتمل زندگی کی مذمت کرتا ہے۔ بامقصد زندگی جس کی اساس ہمہ وقت اللہ کی خوشنودی کی جستجو، تعمیر آخرت کی فکرمندی اور لہوولعب سے اِعراض ہو؛ وہ زندگی اہل ایمان کی پہچان ہے اور جس کی بنیاد لہوولعب پر مشتمل غفلت و بے پرواہی ہو وہ کفار کا شعار ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِینَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (المومنون:۳) کہ اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ وہ لغو اور فضول باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

لہٰذا شرعی نقطۂ نظر سے ہر وہ کام، قابلِ تعریف ہے؛ جو انسان کو مقصدِ اصلی پر گامزن رکھے۔ ہر اس کام کی اجازت ہے، جس میں دنیا وآخرت کا یقینی فائدہ ہو۔ یا کم ازکم دنیا وآخرت کا خسارہ نہ ہو۔ کھیلوں میں سے بھی صرف انھیں اقسام کی اجازت ہے، جو جسمانی یا روحانی فوائد کا حامل ہو۔ وہ کھیل جو محض تضیعِ اوقات کا ذریعہ ہوں، فکرِ آخرت سے غافل کرنے والے ہوں؛ وہ کھیل جو دوسروں کے ساتھ دھوکہ فریب یا ضرررسانی پر مبنی ہوں؛ ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: كُلُّ مَا يَلْهُوبِهِ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ إِلَّا رَمْيَةٌ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيبُهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتُهُ امْرَأَتَهُ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ. (ترمذی، ابن ماجہ، فتح الباری ۱۱ ﷺ ۹۱) یعنی مردمومن کا ہر کھیل بیکار ہے سوائے تین چیز کے: (۱) تیراندازی کرنا، (۲) گھوڑے سدھانا، (۳) اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا؛ کیوں کہ یہ تینوں کھیل حق ہیں۔

(ب) لباس وپوشاک سے متعلق: لباس اور پوشاک کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ کھلاڑی کھیل کے درمیان ایسا لباس پہنے، جو ساتر ہو یعنی جسم کا وہ حصہ چھپ جائے، جن کا چھپانا واجب ہے، یعنی مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے تک اور عورت کے لیے ہتھیلی اور چہرہ کو چھوڑ کر پورا جسم ستر میں داخل ہے، ان کا ڈھکا ہوا ہونا واجب ہے۔ لباس اتنا باریک اور چست بھی نہ ہو کہ جسم کے اعضا نمایاں ہوں۔ اسی طرح اس لباس میں کفّار کے ساتھ ایسی مشابہت نہ ہو کہ اس لباس کو دیکھنے سے کوئی خاص قوم سمجھ میں آتی ہو۔ اور نہ اس لباس کا تعلق غیراسلامی شعار سے ہو۔ مردوں کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فِي النَّارِ (بخاری، مشکوٰۃ ۳۷۳) کہ جو شخص بھی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنے گا، اسے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے: کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو زعفرانی رنگ کا کپڑا پہنے دیکھا، تو آپ نے فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے اس لیے اسے مت پہنو۔ (مسلم، مشکوٰۃ ۳۷۴) حضرت عبداللہ بن عمر بن خطابؓ سے منقول روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ ۳۷۴) کہ جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی اس کا تعلق اسی قوم کے ساتھ سمجھا جائے گا۔

(ج) پسندیدہ کھیل:

۱- تیراندازی اور نشانہ بازی: اصول شریعت کی روشنی میں مروّجہ کھیلوں میں مندرجہ کھیل مستحب اور پسندیدہ ہیں۔ بعض اوقات ان میں سے بعض کی اہمیت و جوب تک پہنچ جاتی ہے۔ نشانہ بازی (چاہے وہ تیر کے ذریعہ ہو یا نیزہ، بندوق اور پستول یا کسی اور ہتھیار کے ذریعہ ہو۔ احادیث میں اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور اس کے سیکھنے کو باعثِ اجر وثواب قرار دیا گیا ہے؛ یوں کہ یہ کھیل انسان کے ذاتی دفاع اور ملکی دفاع کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ کھیل جہاں جسم کی پھرتی، اعصاب کی مضبوطی اور نظر کی تیزی کا ذریعہ ہے۔ وہیں یہ خاص حالات میں، مثلاً بھیڑ کے وقت یا جہاد کے موقع پر دشمنوں سے مقابلہ آرائی کے کام آتا ہے۔ قرآن کریم میں باضابطہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے: وَاَعِدُّو لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال) کہ اے مسلمانو! تمہارے بس میں جتنی قوت ہو، اسے کافروں کے لیے تیار کر کے رکھو۔ رسول کریم ﷺ نے اس ''قوۃ'' کی تفسیر رمی (تیراندازی) سے کی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: أَلَا أَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ۔ یعنی خبردار ''قوۃ'' پھینکنا ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ ۳۳۶) اس پھینکنے میں جس طرح تیر کا پھینکنا داخل ہے، اسی طرح اس میں کسی بھی ہتھیار کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو نشانہ بنانا، راکٹ، میزائل وغیرہ کو ٹھیک نشانہ تک پہنچانا بھی داخل ہے اور ان میں سے ہر ایک کی مشق جہاں جسمانی لحاظ سے بہترین ورزش ہے، وہیں باعث اجر وثواب بھی ہے۔ (بذل المجہود: ۱۱/۴۲۸) ایک حدیث میں آں حضرت نے ارشاد فرمایا: بے شک ایک تیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تین افراد کو جنت میں داخل کردیتا ہے۔ ایک تیر بنانے والا؛ جبکہ وہ تیر بنانے میں ثواب کی نیت رکھے۔ دوسرا تیر پھینکنے والا اور تیسرا پکڑنے والا، پس اے لوگو! تیراندازی سیکھو (سنن دارمی، مشکوٰۃ ۳۳۷)۔

۲- سواری کی مشق: یہ کھیل بھی اسلام کا پسندیدہ کھیل ہے،اس سے بھی جسم کی پوری ورزش کے ساتھ انسان میں مہارت، ہمت وجرأت اور بلند حوصلہ جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں اور سفر میں اور جہاد میں بھی خوب کام آتا ہے، اگر چہ قرآن وحدیث میں عام طور پر گھوڑے کا ذکر آیا ہے؛ مگراس میں ہر وہ سواری مراد ہے؛ جو جہاد میں کام آسکے۔

جہاد کے اس اعلیٰ مقصد کے پیش نظر جو شخص گھوڑا پالے اس کے لیے بڑی بشارتیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے اللہ کے راستے میں گھوڑے باندھ کر رکھا، اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے، تواس گھوڑے کا تمام کھانا پینا حتی کہ گوبر، پیشاب، قیامت کے دن اس شخص کے نامۂ اعمال میں نیکی کے طور پر شمار ہوگا۔ (بخاری، مشکوٰۃ ۳۳۰)

مقاصد کے لحاظ سے گھوڑا رکھنے کی متعدد شکلیں ہوسکتی ہیں: ایک روایت میں اس پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے ''آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں، بعض کے لیے ثواب، بعض کے لیے باعث تحفظ، بعض کے لیے وبال۔ باعث ثواب تو وہ گھوڑے ہیں؛ جنھیں آدمی راہ خدا میں استعمال کرنے کے لیے تیار رکھتا ہے۔ ایسے گھوڑے اپنے پیٹ میں جو کچھ بھی اتارتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے عوض مالک کے لیے ثواب لکھ دیتا ہے....اور باعث تحفظ وہ گھوڑے ہیں جنھیں آدمی اپنی عزت کو برقرار رکھنے اور اللہ کی نعمت کے اظہار کے لیے رکھتا ہے اور گھوڑے کی پشت اور شکم سے متعلق جو حقوق وابستہ ہیں، انھیں فراموش نہیں کرتا۔ خواہ تنگی ہو یا فراخی اور باعثِ وبال وہ گھوڑے ہیں، جنھیں مالک نے ریا، غرور، تکبر اور اترانے کے لیے رکھا ہو، ایسے گھوڑے مالک کے لیے وبال ہیں۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ ۶۰/۲)

احادیث طیبہ میں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے اگر چہ گھوڑوں کے فضائل مذکور ہیں؛ مگر اشتراکِ علت کے پیش نظر ہر وہ سواری جو جہاد میں کام آتی ہو، یا ذاتی تحفظ اور اچھے مقاصد کے لیے آمد ورفت کے کام آتی ہو۔ اگر اسے بھی اچھی نیت سے چلانے کی مشق کی جائے؛ تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوگی۔ جیسے: ہیلی کاپٹر، ہوائی جہاز، بحری جہاز، لڑاکا طیارہ، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، جیپ کار، بس، موٹر سائیکل، سائیکل وغیرہ۔ ان سب سواریوں کے چلانے کی مشق اور ٹریننگ اسلامی نقطۂ نظر سے پسندیدہ کھیل ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جائز اور نیک مقاصد کے لیے انھیں سیکھا جائے اور استعمال کیا جائے۔

۳- دوڑ لگانا: اپنی صحت اور توانائی کے مطابق، ہلکی یا تیز دوڑ بہترین جسمانی ورزش ہے۔

اس کی افادیت پر سارے علماء اور ڈاکٹر متفق ہیں۔ احادیث سے بھی اس کا جواز؛ بلکہ استحباب مفہوم ہوتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی یاد سے تعلق نہ رکھنے والی ہر چیز لہو ولعب ہے، سوائے چار چیزوں کے: (۱) آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا (۲) اپنے گھوڑے سدھانا (۳) دونشانوں کے درمیان پیدل دوڑنا (۴) تیراکی سیکھنا سکھانا۔ (کنزالعمال ۲۱۱/۱۵، الجامع الصغیر ۲۳/۵)

پیدل دوڑنے کی اسی افادیت کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ عام طور پر دوڑ لگایا کرتے تھے اور ان میں آپس میں پیدل دوڑ کا مقابلہ بھی ہوا کرتا تھا۔ سابق میں مشکوٰۃ المصابیح کے حوالہ سے شرح السنہ کی یہ روایت آچکی ہے کہ بلال بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑتے تھے اور بعض بعض سے دل لگی کرتے تھے، ہنستے تھے، ہاں! جب رات آتی، تو عبادت میں مشغول ہوجاتے تھے۔ (مشکوٰۃ ۴۰۷)

پیدل دوڑ میں مثالی شہرت رکھنے والے صحابی حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کہتے ہیں: کہ ہم ایک سفر میں چلے جارہے تھے، ہمارے ساتھ ایک انصاری نوجوان بھی تھا، جو پیدل دوڑ میں کبھی کسی سے مات نہ کھاتا تھا، وہ راستہ میں کہنے لگا، ہے کوئی؟ جو مدینہ تک مجھ سے دوڑ میں مقابلہ کرے، ہے کوئی دوڑ لگانے والا؟ سب نے اس سے کہا: تم نہ کسی شریف کی عزت کرتے ہو اور نہ کسی شریف آدمی سے ڈرتے ہو۔ وہ پلٹ کر کہنے لگا ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میں نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رکھتے ہوئے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان سے دوڑ لگاؤں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، اگر تم چاہو؛ چنانچہ میں نے ان سے مدینہ تک دوڑ لگائی اور جیت گیا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور زبیر بن العوامؓ میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت زبیر آگے نکل گئے، تو فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم میں جیت گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا، تو حضرت فاروقؓ آگے نکل گئے، تو انھوں نے وہی جملہ دہرایا: ربِ کعبہ کی قسم میں جیت گیا۔ (کنزالعمال ۲۲۴/۱۵)

۴- بیوی کے ساتھ بے تکلّفانہ کھیل: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مختلف بے تکلفی کا کھیل بھی اسلام کی نظر میں مستحسن ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ میں نے آپ سے دوڑ لگائی اور آگے نکل گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر ایک سفر میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوڑ لگائی اب میرے جسم پر گوشت چڑھ گیا تھا تو آپ مجھ سے آگے نکل

گئے اور آپ نے فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے (سنن ابی داؤد)

مذکورہ حدیث نبوی سے بیوی کے ساتھ تفریح کرنے اور دوڑ لگانے دونوں کی افادیت سمجھ میں آتی ہے؛ لیکن واضح رہے کہ حضور ﷺ کا یہ دونوں واقعہ اس وقت کا ہے؛ جب کہ قافلہ آپ کے حکم سے آگے جاچکا تھا اور وہاں آں حضورؐ اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا، وہ تنہا تھے۔ کسی اور کی موجودگی میں ایسا نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ حیا کے خلاف ہے۔

۵- نیزہ بازی: نیزہ زنی اور بھالا چلانا ایک مستحسن کھیل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ میرے حجرے کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ جب کہ کچھ حبشی نیزوں کے ساتھ مسجد کے باہر صحن میں نیزوں سے کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی چادر سے چھپا رہے تھے اور میں آپ کے کان اور کندھوں کے درمیان حبشیوں کو کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ (صحیح بخاری مع الفتح)

۶- تیراکی: تیرنے کی مشق ایک بہترین اور مکمل جسمانی ورزش ہے، جس میں جسم کے تمام اعضاء وجوارح کی بھرپور ورزش ہوتی ہے، یہاں تک کہ سانس کی بھی ورزش ہوتی ہے۔ سیلاب آنے کی صورت میں ایک ماہر تیراک انسانیت کی بہترین خدمت کرسکتا ہے۔ نشیبی علاقوں میں عام طور پر قریب میں ندی نالے تالاب وغیرہ ہوتے ہیں اور ان میں ڈوبنے کے واقعات بھی عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔ ایسے حادثاتی مواقع پر ماہر تیراک لوگوں کی جان بچانے کی کامیاب کوشش کرسکتا ہے۔ اس سے جہادی تربیت کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے؛ کیوں کہ کسی بھی جنگ میں ندی نالے، تالاب اور دریا کو عبور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ ایک طبعی امر ہے۔ آج کل کی جنگوں میں سمندر کی ناکہ بندی کو دفاعی نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا تیراکی جہاں تفریحِ طبع اور جسمانی ورزش کا عمدہ ذریعہ ہے، وہیں بہت سے دیگر سماجی و دماغی فوائد کا حامل بھی ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کا بہترین کھیل تیراکی ہے اور عورت کا بہترین کھیل سوت کاتنا۔ (کنز العمال ۱۵/۲۱۱) اسی لیے صحابۂ کرامؓ نہ صرف یہ کہ تیراکی کے ماہر تھے؛ بلکہ بسا اوقات تیراکی کا مقابلہ بھی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حالتِ احرام میں تھے کہ مجھ سے حضرت عمرؓ کہنے لگے آؤ! میں تمہارے ساتھ غوطہ لگانے کا مقابلہ کروں، دیکھیں ہم میں سے کس کی سانس لمبی ہے (عوارف المعارف للسہروردی)

۷،۸- کُشتی اور کبڈی: اس کھیل میں ورزش کا بھرپور سامان ہے۔ اگر ستر کی رعایت اور

انہماک کے بغیر کھیلا جائے، تو جائز ہوگا؛ بلکہ نیک مقصد کے لیے مستحسن قرار دیا جائے گا۔ عرب کا ایک مشہور پہلوان رُکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے کشتی ٹھیرائی، تو آپ نے اس کو کشتی میں بچھاڑ دیا۔ (ابوداوٴد فی المراسیل) مذکورہ تمام کھیل چوں کہ احادیث و آثار سے ثابت ہیں؛ اس لیے ان کے جواز؛ بلکہ استحباب میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا، اور کبڈی کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے۔

ناپسندیدہ کھیل:

ان کے علاوہ جو کھیل کود رائج ہیں: ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جن کھیلوں کی احادیث و آثار میں صریح ممانعت کی گئی ہے، وہ سب ناجائز ہیں: جیسے نرد، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو لڑانا۔

۱- نرد: رسول اللہ ﷺ نے نرد یعنی چوسر کھیلنے سے سختی سے منع فرمایا: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے نردشیر کا کھیل کھیلا، تو گویا اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خوں سے رنگ لیے (مسلم، مشکوٰۃ ۳۸۶) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے نرد یعنی چوسر کھیلا اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی (ابوداوٴد)

۲- شطرنج: صحابہٴ کرامؓ نے شطرنج کھیلنے سے صراحتاً منع فرمایا اور ظاہر ہے کہ صحابہٴ کرامؓ نے شطرنج کی ممانعت رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی۔ (مرقاۃ المصابیح ۳۸۷) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: شطرنج عجمیوں کا جوا ہے (بیہقی، مشکوٰۃ ۳۸۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ: شطرنج گناہ گاروں کا کھیل ہے۔ انہی سے ایک شخص نے شطرنج کھیلنے کے بارے میں دریافت کیا؛ تو انھوں نے فرمایا: یہ باطل (بیکار کھیل) ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں فرماتے (بیہقی، مشکوٰۃ ۸۷) انہی آثار و روایات کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد ابن حنبلؒ اس کے کھیلنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی طرف اگرچہ جواز کی نسبت ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔ علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں صراحت فرمائی: أَمَّا الشِطرَنجُ فَمَکرُوہٌ عِندَنَا لاَ حَرَامٌ. اور یہ کراہت بھی مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ کہ نماز اور جوابِ سلام سے غافل نہ کرے اور بہت نہ کھیلے۔ (التفسیر الأحمدی بحوالہٴ امداد الفتاویٰ ۴/۲۴۱)

۳- کبوتر بازی: احادیث کی روشنی میں یہ بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا؛ تو فرمایا: شَیطَانٌ یَتَّبِعُ شَیطَانَۃً کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے دوڑا جارہا ہے۔ (ابوداوٴد)

کنز العمال کی ایک روایت میں ہے کہ جب دنیا میں سازوسامان کی فراوانی ہوئی اور لوگوں پر موٹاپا چڑھنے لگا، تو مدینہ طیبہ میں پہلی برائی یہ ظاہر ہوئی کہ لوگوں نے کبوتر بازی اور غلیل بازی شروع کردی۔ حضرت عثمان غنیؓ کا زمانہ تھا؛ انھوں نے بنولیث سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب کو مدینہ منورہ میں محض اس کام کے لیے مقرر کیا کہ وہ کبوتر کے پر کاٹ دیں اور غلیلیں توڑ دیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ کبوتر پالنا انڈا یا بچوں کے حصول کے لیے درست ہے؛ لیکن کبوتر بازی کرنا اگر جوے کے ساتھ ہو تو مکروہ ورنہ ناجائز ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ)

۴- مرغ بازی، بٹیر بازی: رسول اللہ ﷺ نے ہر طرح سے جانوروں کو آپس میں لڑانے کی ممانعت فرمائی ہے، چاہے مرغیوں کو لڑایا جائے یا بٹیر کو یا مینڈھے کو جس کے لڑانے کا معاشرے میں عام رواج ہے، یا کسی اور جانور کو لڑایا جائے۔ نَهٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ (ترمذی، ابوداؤد) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے رسالہ ''جانوروں کے حقوق'' میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مرغ بازی، بٹیر بازی، اور مینڈھے لڑانا اسی طرح کسی جانور کو لڑانا، سب اس میں داخل ہے اور سب حرام ہے کہ خواہ مخواہ ان کو تکلیف دینا ہے اور اسی کے حکم میں ہے، گاڑی بانوں کا بیلوں کو بھگانا کہ وہ بھی ہانپ جاتے ہیں اور بعض اوقات سواریوں کی چوٹ لگ جاتی ہے اور بجز تفاخر اور مقابلہ کے اس میں کوئی مصلحت نہیں اور گھوڑ دوڑ وغیرہ جب کہ اس میں جوا نہ ہو، اس سے مستثنیٰ ہے کہ ان کی مشاقی میں مصلحت ہے۔'' (ارشاد الہائم فی حقوق البہائم ۱۹)

موجودہ زمانے کے چند کھیل:

۱- پتنگ بازی: جو حکم کبوتر کے پیچھے دوڑنے کا ہے، وہی حکم پتنگ کے پیچھے دوڑنے کا ہے؛ یعنی ناجائز۔ حدیث میں ایسے شخص کو شیطان قرار دیا گیا ہے۔ (ابوداؤد) اس میں بھی اور ناجائز کھیلوں کی طرح متعدد مفاسد و مضرتیں پائی جاتی ہیں اور بعض علاقوں میں خاص مواقع پر ''بسنت منانے'' کے عنوان سے وہ ہلڑ بازی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! اس کے علاوہ قوم کا لاکھوں کروڑوں روپے محض پتنگ بازی کے نذر ہوجاتے ہیں۔ بعض اوقات چھتوں سے گر کر جان کا ضیاع بھی ہوتا ہے، کٹے ہوئے پتنگ کو زبردستی لوٹ لیا جاتا ہے، بے پردگی الگ ہوتی ہے، ان امورِ قبیحہ کی وجہ سے پتنگ بازی بھی شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے۔

۲- تاش بازی: یہ کھیل بھی شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے؛ اس لیے کہ تاش عام طور پر باتصویر

ہوا کرتے ہیں۔ تاش کھیلنا عام طور پر فاسق وفاجر لوگوں کا معمول ہے۔ بالعموم جوا اور قمار کی شمولیت ہوتی ہے۔اس کھیل میں تفریح کی جگہ پر الٹا ذہنی تکان ہوتی ہے۔اگر جوے کے بغیر بھی کھیلا جائے ،تو شطرنج کے حکم میں ہوکر مکروہ تحریمی کہلائے گا۔بعض احادیث میں شطرنج کی ممانعت آئی ہے۔ جو مصلحت شطرنج کو منع کرنے میں ہے، وہی بات تاش کھیلنے میں پائی جاتی ہے۔ جہاں تک معاملہ تعلیمی تاش کا ہے؛ تو یہ کھیل اگر جوے اورانہماکِ زائد سے پاک ہو،تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے؛ بلکہ مبتدیوں کے لیے یک گونہ مفید بھی ہے۔(امدادالفتاویٰ)

۳- باکسنگ، فائٹنگ: موجودہ زمانہ میں باکسنگ مُکّا بازی، فری اسٹائل فائٹنگ کے جو مقابلے منعقد ہوتے ہیں، وہ شریعتِ اسلامی میں بالکل حرام ہیں،اسے جائز ورزش کا نام نہیں دیا جاسکتا،ایسے باکسنگ مقابلوں کو ٹی.وی پر براہِ راست نشر کرنا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں فریق مقابل کو شدید جسمانی اذیت پہنچانے کو جائز تصور کیا جاتا ہے؛ جس سے ہوسکتا ہے کہ مدِمقابل اندھے پن، سخت نقصان، دماغی چوٹ یا گہرے ٹوٹ پھوٹ؛ بلکہ موت سے بھی دوچار ہوجائے۔اس میں مارنے والے پر اس نقصان کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی ہے، جیتنے والے کے حامیوں کو اس کی جیت پر خوشی اور مقابل کی اذیت پر مسرت ہوتی ہے، جو اسلام میں ہر حال میں حرام اور ناقابل قبول ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی اور تم اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔

۴- بیلوں کے ساتھ کشتی: اسی طرح بیلوں کے ساتھ کشتی جس میں تربیت یافتہ مسلح افراد اپنی مہارت سے بیل کو موت کے گھاٹ اتاردیتے ہیں، یہ بھی حرام ہے؛ کیوں کہ اس میں جانور کو ایذا پہنچا کر اور جسم میں نیزے بھونک کر قتل کیا جاتا ہے اور بعض اوقات بیل بھی مدِمقابل انسان کو ختم کردیتا ہے یہ عمل کسی بھی حال میں درست نہیں؛ اس لیے کہ روایت میں ایک بلی کو بھوکا مارنے پر جہنم میں ڈالنے کا مضمون آیا ہے۔

۵- کیرم بورڈ: یہ کھیل بھی اگر نہماک اور جوے کے بغیر کھیلا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

۶- لوڈو: اگر اس میں ذی روح کی تصویر نہ ہو اور مذکورہ خرابیوں سے پاک ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

۷- ویڈیو گیم: اس کھیل کی مختلف شکلیں رائج ہیں: (۱) جس میں جاندار کی تصویریں نہ ہوں؛ بلکہ بے جان اشیاء مثلاً: ہیلی کاپٹر، جہاز، موٹر سائیکل، بس، ٹیکسی وغیرہ چلانے یا انھیں شکار

کرنے کا کھیل ہو۔ یا جاندر کی تصویریں ہوں؛ مگر وہ اس قدر غیر واضح ہوں کہ انھیں تصویر نہ کہا جا سکے؛ بلکہ وہ محض ایک خاکہ کی شکل ہوں؛ تو ان دونوں شکلوں میں وقتی تفریح طبع کے لیے یا ذہن کی تیزی اور حاضر دماغی کے لیے۔اس کھیل کی شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ مذکورہ ممانعتوں سے پاک ہو (۲) وہ بڑے ویڈیو گیم، جن میں جانداروں کی تصویریں واضح ہوں۔ یہ کھیل تصویر کی حرمت کی وجہ سے ناجائز ہوں گے۔ ہاکی، فٹ بال، والی بال، ٹینس، بیڈمنٹن، کرکٹ: اوپر ذکر کیے گئے کھیلوں کے علاوہ جو بھی کھیل ہے اگر وہ کسی معصیت، حرام یا ناجائز کام پر مشتمل ہوں، وہ بھی اس مقصد حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے۔مثلاً کسی کھیل میں ستر کھولا جائے، یا اس کھیل میں جوا بازی ہو، یا اس میں مرد وعورت کا مخلوط اجتماع ہو، یا اس میں موسیقی کا اہتمام ہو، یا کفار کی خاص مشابہت ہو، یا اس کی وجہ سے فرائض وواجبات میں غفلت ہورہی ہو۔

اسی طرح وہ کھیل جو بلا مقصد محض وقت گزاری کے لیے کھیلے جاتے ہیں، وہ بھی ناجائز ہوں گے۔اس لیے کہ قرآن کریم میں تو مومنوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں (مومن ۱۳)۔اس طرح کے کھیلوں کا اصولی طور پر حکم جاننے کے لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا یہ فتویٰ چشم کشا ہے: (الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی معتد بہا فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہے اور وہی حدیث کا مصداق ہے۔

(ب) جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہا مقصود ہو، وہ جائز ہے۔بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع ملا ہوا نہ ہو اور من جملہ امور خلاف شرع تشبّہ بالکفار (کفار کی نقالی) بھی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ گیند کا کھیل خواہ کرکٹ وغیرہ ہوں، یا دوسرے دیسی کھیل، فی نفسہٖ جائز ہیں؛ کیوں کہ ان سے تفریح طبع اور ورزش وتقویت ہوتی ہے، جو دنیوی اہم فائدہ بھی ہے اور دینی فوائد کے لیے سبب بھی؛ لیکن شرط یہی ہے کہ یہ کھیل اس طرح پر ہوں کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع اور تشبّہ بالکفار نہ ہو، نہ ہی لباس کے طرز میں انگریزیت ہو اور نہ گھٹنے کھلے ہوں، نہ اپنے نہ دوسروں کے اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریاتِ اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے،اگر کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ کرکٹ ،ٹینس وغیرہ کھیل سکتا ہے،تو اس کے لیے جائز ہے ورنہ نہیں، آج کل چوں کہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیل میں نہیں ہیں؛ اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے(امداد المفتیین جدید ۱۰۰۱،۱۰۰۲)معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں مروّج کھیل مثلاً: ہاکی،فٹ بال، والی بال،ٹینس، بیڈ منٹن، کشتی، کرکٹ کی بعض شکلیں وغیرہ، جس میں بھرپور ورزش کا امکان ہوتا ہے، فی نفسہٖ ان

کا کھیل درست ہے؛ لیکن چوں کہ عام طور پر ان کھیلوں میں اور ان کے لیے منعقد ہونے والے مقابلوں میں مندرجہ ذیل خرابیاں در آئی ہیں: (۱) انہماک زیادہ ہونا (۲) لوگ فرائض و واجبات سے غافل ہوجاتے ہیں (۳) اسراف وتبذیر کی نوبت آتی ہے (۴) وقت کا بے پناہ ضیاع ہوتا ہے (۵) اکثر کھیلوں میں ستر پوشی کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔(۶) اکثر جگہوں پر مرد وعورت کا اختلاط ہوتا ہے (۷) محرمات: مثلاً بدنظری، گانا، ڈانس، ہلڑ بازی کا ارتکاب ہوتا ہے (۸) بعض کھیل کے ماہرین کو قومی ہیرو اور آئیڈیل کا درجہ دے کر نونہالوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے۔ (۹) سٹے بازی، جوے بازی، میچ فکسنگ اور اسپاٹ فکسنگ کا سیلاب بلاخیز آیا ہوا ہے؛ لہٰذا مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے ان کھیلوں کے عدم جواز کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جیت ہار میں پیسے کی شرط: کھیل کی جیت ہار میں اگر پیسے کی شرط ہو، تو اس کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک صورت ناجائز ہے، باقی تین صورتیں جائز ہیں: (۱) دو یا چند افراد کے مابین مقابلہ ہو اور ہر شخص پر یہ بات لازم قرار دی گئی ہو کہ وہ ہارنے کی صورت میں جیتنے والے کو متعین رقم دے گا اور اگر وہ جیت جائے تو دوسرے لوگ اسے رقم دیں گے۔ یہ صورت جوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔(۲) دو آدمیوں میں جیت ہار پر دوطرفہ شرط ہو؛ لیکن تیسرے آدمی کو بغیر کسی شرط کے شریک کرلیا گیا ہو کہ اگر وہ ہار جائے، تو اسے کچھ دینا نہ پڑے گا اور اگر وہ جیتے، تو باقی دونوں اسے حسب معاہدہ انعام دیں گے اور تیسرا شخص بھی اس پوزیشن میں ہو کہ اس کے جیتنے کی توقع کی جاسکتی ہو؛ یہ صورت بھی جائز ہے۔(۴) دو شخص مقابلہ میں شریک ہوں اور جیتنے والے کو انعام کوئی کمپنی، حکومت، ادارہ یا کوئی اور شخص دے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب السباق ۶/۲۰۶، ردالمحتار)

کھیل دیکھنے کے لیے ٹکٹ خریدنے کا حکم: کھیل دیکھنے کے لیے اسٹیڈیم اور میدان میں داخل ہونے کے لیے ناظرین کو داخلہ کارڈ، یا ٹکٹ کی خریداری کرنی پڑتی ہے۔ اس کا شرعی حکم کھیل کی نوعیت سے وابستہ ہے۔ جائز کھیلوں کے لیے ٹکٹ کی خریداری اور انھیں دیکھنے کی گنجائش ہے اور ناجائز ومکروہ کھیل کے لیے نہ ٹکٹ خریدنے کی گنجائش ہے، نہ دیکھنے کی۔ کیوں کہ یہ آیت کریمہ ”یشتری لهو الحديث“ کے وعید میں شامل ہے۔

سیروسیاحت:

نئے مقامات کی دریافت، فرحت انگیز اور خوش کن مناظر، بلند وبالا عمارت، آثار قدیمہ اور

تہذیبوں کے مدفن کھنڈرات کے مشاہدہ اور مقدّس مقامات و مذہبی اماکن کی زیارت کا داعیہ فطری ہے۔اس سے انسان کے تجربات میں اضافہ ہوتا ہے، بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔اسی جذبہ کے تحت سیر و سیاحت کا ہر زمانہ میں رواج رہا ہے، بہت سے علما و محققین اور دانشوروں نے سیر و سیاحت اور بادیہ پیمائی اور ہفت خوانِ عالم کی اسیری وصحرا نوردی سے حاصل تجربات کو دوسروں تک بھی پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔اس طرح ایک مستقل فن ''سفرناموں'' اور ''رحلات'' کی شکل میں سامنے آیا۔ دنیا ان سفرناموں اور رحلات کے ذریعہ ان تاریخی اسرار و رموز، تہذیب وتمدن اقوام وملل رسم ورواج، مختلف ممالک کے باشندوں کی زندگی کے حالات اور تجربات وغیرہ سے روشناس ہوئی کہ اگر یہ سفرنامے نہ ہوتے،تو کبھی ان کا پتہ بھی نہ چلتا، نہ اس کا سراغ ملتا۔ابن بطوطہ مغربیؒ ابن حوقلؒ، حکیم ناصر خسروؒ مسلمانوں میں شہرہ آفاق سیاح گذرے ہیں۔خود ہندوستان کی تاریخ اور قدیم تمدن کے بیان میں مشہور چینی سیاح ہیان جیونگ کو دستاویزی حیثیت حاصل ہے۔

(الف) شرعی نقطۂ نظر سے سیر و سیاحت جائز مقاصد اور جائز طریقہ پر درست ہے؛ بلکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ''سِيرُوا فِي الْأَرْضِ'' کا حکم دیا گیا ہے۔سورۂ نمل میں ارشاد ہے: قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (۶۹) کہ اے نبی کہہ دیجیے کہ روئے زمین پر سیر کرو اور دیکھو کہ جرم کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔سورۂ روم میں ارشاد ہے: قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ، كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ (۴۲) اے نبی کہہ دیجیے! کہ تم روئے زمین پر گھومتے پھرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو پہلے ہوا کرتے تھے،ان میں سے اکثر مشرک تھے۔

مذکورہ آیات اور اس مفہوم کی دوسری آیتوں میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سیر فی الارض'' یا سیاحت نہ صرف یہ کہ جائز ہے؛ بلکہ مطلوب ہے؛لیکن یہ سیر با مقصد ہونا چاہیے، ''نیک لوگوں'' کے علاقوں اور ان کے آثار کو دیکھ کر اسبابِ انعام کی رغبت پیدا ہو، نیکی اور بھلائی کا شوق پیدا ہو۔اور ''نافرمانوں'' کے مقامات اور ان کے آثار کو دیکھ اسبابِ غضب سے بچنے کا داعیہ پیدا ہو، قلب میں رقت پیدا ہو، رسول اللہ ﷺ جب ایک غزوے کے موقع پر قوم عاد کے علاقہ سے گذر رہے تھے،تو آپ نے سواریوں کو تیز ہکانے کا حکم فرمایا اور چہرے پھیر لیے۔اور استغفار کی کثرت کا حکم دیا، مطلق سیر کی کوئی ممانعت نہیں۔اس کا جواز یا عدم جواز مقصد سفر سے وابستہ ہے۔ اگر مقاصد درست ہوں؛ تو سفر بھی درست ہوگا، اگر مقاصد غلط ہوں تو سفر بھی غلط ہوگا۔حدیث

نبوی: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلیٰ ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (بخاری مع الفتح ۱۱۸۹) کی تحقیق میں بھی علماء نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری (۶۳/۳) میں اپنے شیخ زین الدین عراقیؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں مساجد کے حکم کو بیان کرنا مقصود ہے۔ جہاں تک مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات کے قصد کا تعلق ہے، جیسے طلبِ علم کے لیے سفر کرنا، رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے سفر کرنا، تفریح یا مبارک آثار اور مقابر کی زیارت کے لیے سفر کرنا اور اس طرح کے دوسرے اسفار اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔ (معارف السنن ۳/۳۳۶)

(ب) جن علاقوں میں جان مال عزت وآبرو کو خطرہ لاحق ہو، ان علاقوں کا نہ تو خود سفر کرنا درست ہے۔ نہ اہل وعیال کو لے جانا درست ہے۔ ارشاد باری ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِأَیْدِیْکُمْ إِلیٰ التَّهْلُكَةِ (بقرہ ۱۹۵) اور تم اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں مت ڈالو۔ بخاری کی ایک روایت میں رات کے اوقات میں تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے؛ کیوں کہ اس میں خطرہ ہے۔

(ج) جن مقامات پر مختلف ممالک کے سیاحوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ وہاں بعض غیر شرعی باتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایسے مقامات پر نظر کی حفاظت کرتے ہوئے، جانے کی گنجائش ہے؛ لیکن چوں کہ ماحول کا اثر مسلم ہے۔ لہٰذا ایسے مقامات پر نہ جانا بہتر ہے، ایسے مقامات پر آداب کی رعایت کے ساتھ جس طرح جانے کی گنجائش ہے، فی نفسہ وہاں کے لیے سواری کرایہ پر لینے اور وہاں کاروباری نقطۂ نظر سے دکان لگانے کی بھی گنجائش ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ حکومتوں اور تنظیموں کی طرف سے بے حیائی کے روک تھام کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

(د) ٹور کمپنیاں قائم کرنے کا جواز یا عدم جواز مقاصد سے وابستہ ہے۔ جائز مقاصد کے لیے ٹور کمپنیاں قائم کرنا اور اسے چلانا درست ہے۔

۴- تعلیم وتذکیر کے لیے فلموں کا استعمال: فلم درحقیقت عکس بندی کا نام ہے۔ یہ عکس بندی جاندار چیزوں کی بھی ہوتی ہے اور بے جان چیزوں کی بھی۔ کسی بھی جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ خواہ ہاتھ کے ذریعہ ہو، یا قلم سے یا کیمرہ کے ذریعہ ہو یا پریس پر چھاپ کر۔ یا سانچہ اور مشین میں ڈھال کر۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْمُصَوِّرُوْن (بخاری حدیث ۵۹۵۴/ باب التصاویر) قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد صحیح احادیث ہیں؛ جن میں تصویر سازی کی مذمت کی گئی ہے۔ ویڈیو اور کیمرہ کی تصویر بھی درحقیقت تصویر ہی ہے۔

اس سلسلہ میں عرب کے بعض غیر محتاط علماء کے ضعیف اقوال کو وجہ جواز نہیں بنایا جاسکتا؛ لہٰذا جان دار چیزوں کی فلم بندی کسی حال میں درست نہیں ہے،ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں۔ تعلیمی مقاصد وتذکیری مقاصد ضرورت میں شامل نہیں۔

(۵) کارٹون دو طرح کے ہوتے ہیں: محض خاکہ جس میں چہرہ سر وغیرہ نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا کارٹون، جو اخباروں اور ٹیلویژن میں مروّج ہے۔جس میں سر بھی ہوتا ہے، چہرہ بھی ہوتا ہے اگر چہ وہ مسخ شدہ ہوتا ہے۔ پہلے قسم کا کارٹون؛ بلکہ خاکے بنانا درست ہے۔

دوسرے قسم کے کارٹون جو موجودہ زمانے میں مروّج ہیں؛ وہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہیں،اگر چہ وہ تصویر بگڑی ہوئی ہوتی ہے؛ لہٰذا اس طرح ذی روح کا کارٹون بنانا درست نہیں؛ بلکہ تصویر سازی کے گناہ پر بھلی صورتوں کو بگاڑ کر مذاق بنانے کا گناہ مستزاد ہوگا۔

(۶) کارٹون بنانا چوں کہ گناہ کا کام ہے؛ اس لیے اس کو ذریعۂ آمدنی بنانا اور اس مقصد کے لیے ملازمت کرنا گناہ کے کاموں پر تعاون ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ ارشاد باری ہے: تَعَاوَنُوا عَلَىٰ الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَىٰ الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. یعنی نیکی کے کاموں پر تعاون کرو۔ گناہ اور ظلم کے کاموں پر تعاون مت کرو۔ بعض فقہاء نے نابالغ بچوں کے لیے باتصویر کھلونوں سے کھیلنے کو درست قرار دیا ہے۔ نابالغ بچے اگر کارٹون کے پروگرام دیکھیں؛ تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ بچوں کا وقت ضائع نہ ہو اور ان کے دلوں سے تصویر کی کراہت نہ نکلے۔ (تصویر کے شرعی احکام: از: مفتی محمد شفیعؒ)

اسٹیج ڈرامہ: بہتر مقاصد کے لیے اگر اسٹیج ڈرامہ کیا جاتا ہے؛ تو اس شرط کے ساتھ اس کی اجازت ہے کہ: اس میں (۱) دھوکہ نہ ہو (۲) موسیقی کا استعمال نہ ہو (۳) کسی مومن کی کردار کشی نہ کی گئی ہو (۴) شکلیں بگاڑی نہ جائیں (۵) انہماک زائد نہ ہو (۶) مرد وزن کا اختلاط نہ ہو؛ لیکن موجودہ زمانے میں جو ''اسٹیج شو'' کے نام سے ڈرامے مروّج ہیں، وہ مفاسد سے پُر ہوتے ہیں۔ اس لیے ممنوع ہیں۔

مدارس میں منعقد ہونے والے مکالمے، محادثے بالعموم اصلاحی تذکیری ہوتے ہیں اور مذکورہ مفاسد سے پاک ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کی گنجائش ہے۔ تمام تفریحات اور کھیل کود میں اصل یہ ہے کہ انسان کسی حال میں اپنے مقصدِ حیات اور فکرِ آخرت سے غافل نہ ہو۔

واللہ اعلم بالصواب